© rasailojaraid.com

انٹرویو: حافظ عبدالرحمٰن مدنی
نمائندہ جنگ: عبدالمجید ساجد

حدود آرڈیننس کو 'حدود اللہ' کیسے بنایا جائے!؟

۱۹۷۹ء میں نفاذِ شریعت کے پیش نظر پانچ آرڈیننس جاری کئے گئے تھے جن میں سے آرڈیننس نمبر VII جرمِ زنا سے متعلق ہے اور جرمِ قذف (تہمتِ زنا) وغیرہ سے تعلق رکھنے والا آرڈیننس VIII ہے۔ اس وقت جرمِ زنا آرڈیننس نمبر VII زیر بحث ہے اور کسی قدر جرمِ قذف آرڈیننس VIII ...... جو مستقل قانون ہے ...... کو بھی لپیٹ میں لیا جارہا ہے۔ اس بحث سے مقصود نفاذِ شریعت کی بجائے روحِ شریعت سے انحراف کرکے سابقہ تعزیرات کو بحال کرنا ہے جس میں مغربی ثقافت کے زیر اثر عورت کی رضا مندی سے تقریباً ہر قسم کا زنا جائز تھا۔ اس مقصد کے لئے طریق کار یہ اختیار کیا جارہا ہے کہ عوام کے پلے کچھ نہ پڑے اور صرف تنقید باقی رہ جائے تاکہ حکومت اس شوروغوغا میں مذکورہ پانچ حدود آرڈیننس میں سے صرف جرمِ زنا آرڈیننس کو تو منسوخ کردے اور جرمِ قذف آرڈیننس میں حسبِ منشا ترمیم کردے۔

ان حالات میں پھیلائے جانے والے سوالات کے پس منظر سے عوام ناواقف ہیں۔ جیو ٹی وی نے مدیر اعلیٰ 'محدث' کو تو سوال درست کرنے کی اجازت نہ دی لیکن روزنامہ 'جنگ' لاہور کے انچارج اقرأ ایڈیشن جناب عبدالمجید ساجد نے مدنی صاحب سے ایک طویل نشست رکھی اور وعدہ کیا کہ یہ انٹرویو 'جنگ' میں تفصیلاً شائع ہوگا، لیکن جنگ لاہور مؤرخہ ۹/جون کے رنگین صفحہ پر اس نشست کا صرف ایک آدھا نکتہ ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا۔ توجہ طلب بات یہ بھی ہے کہ اُنہیں محدث کے سابقہ شمارے بھی دیے گئے لیکن ان شماروں سے صرف اعتراضات کی فہرست نکال کر شائع کردی گئی اور جوابات کو چھوڑ دیا گیا، اس سے جنگ اخبار کی پالیسی کا بخوبی علم ہوجاتا ہے۔ بہرحال جنگ سے ہونے والی اس نشست کو مجلس تحقیق اسلامی کے سکالر محمد اسلم صدیق نے ریکارڈنگ سے ترتیب دیا ہے جو ہدیۂ قارئین ہے۔ (محدث)

© rasailojaraid.com

سوال: زنا آرڈیننس میں ترمیم کے بارے میں آپ کا موقف کیا ہے؟

جواب: جسٹس ناصر اسلم زاہد کا جو موقف اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ زنا آرڈیننس کو قرآن کے مطابق بنایا جائے، میں اس سے متفق ہوں۔ البتہ یہ بات مضحکہ خیز ہے کہ زنا آرڈیننس کو سرے سے ختم ہی کر دیا جائے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ حدود آرڈیننس کو حدود اللہ کیسے بنایا جائے؟

سوال: کیا حدود آرڈیننس کوئی خدائی قانون ہے؟

جواب: یہ سوال بڑا عجیب ہے، یہ بات تو درست ہے کہ یہ آرڈیننس اللہ نے نازل نہیں کیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس میں ترمیم و اصلاح کے بعد جو قانون بنایا جائے گا، کیا وہ خدائی قانون ہوگا؟ وہ بھی تو انسانوں کا بنایا ہوا ہوگا۔ دراصل ہمارے ملک میں وہ تمام قوانین جو شریعت کے حوالہ سے لاگو ہیں، ان کے بارے میں مشکل یہ ہے کہ انسان اسے اپنی زبان میں تیار کرتے ہیں اور پھر ایک خاص طریقہ سے ان کا نفاذ ہوتا ہے۔ جبکہ شریعت اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو قرآن وسنت کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ ہر وہ قانون جو (اجتہاد کے بعد) انسانوں کی اپنی تعبیر کی شکل میں نافذ ہوگا، اس کو نافذ کرنے کے بعد یہ مشکل ہمیشہ درپیش رہے گی اور اس میں جابجا تبدیلیوں کی ضرورت ہمیشہ پیش آتی رہے گی۔

سوال: پھر شریعت کے نفاذ کا طریقہ کیا ہونا چاہئے؟

جواب: اس سلسلہ میں مثالی صورت تو یہ ہے کہ اجتہاد کے ذریعہ حدود اللہ کی تقنین (Legislation) یا اس کی دفعات کی تدوین (Codification) کی بجائے اُنہیں قرآن وسنت کی اصل شکل میں نافذ کر دیا جائے اور جب حدود کا کوئی مقدمہ پیش آئے تو اس وقت قرآن وسنت کی اس سلسلہ میں وارد نصوص کو سامنے رکھ کر جج اجتہاد کرتے ہوئے اپنا فیصلہ صادر کرے لیکن اس کے لئے ضروری یہ ہے کہ جج قرآن وسنت کا ماہر عالم ہو اور شرعی اجتہاد کی صلاحیت بھی اس میں موجود ہو۔

ہماری چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں شریعت کے نفاذ کا یہی طریقہ رہا ہے اور آج کل بھی خلیجی ممالک مثلاً سعودی عرب وغیرہ میں اسی طریقہ پر ہی حدود اللہ کو نافذ کیا جاتا ہے۔ پہلے سے انسانوں کی قانون سازی کے ذریعے جو حدود آرڈیننس بھی نافذ کیا جائے گا، اس کے

بارے میں یہ آواز اٹھتی ہی رہے گی کہ یہ قرآن وسنت کے مطابق ہے یا نہیں؟ لہٰذا اسے قرآن وسنت کے مطابق بناؤ۔

سعودی عرب میں شاہ فیصل مرحوم کے دور میں علما کے درمیان جدید انداز میں شریعت کی تقنین (Legislation) کی بحث چلی تو وہاں کے مشہور مفتی اکبر شیخ محمد بن ابراہیم اور ان کے شاگرد رجانشین مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں حکام کو ما أنزل اللہ (المائدۃ:۴۴) کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیا ہمارا شریعت کی دفعہ وار قانون سازی کرنا ما أنزل اللہ قرار پاسکتا ہے؟ قطعاً نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شرعی قاضی ہمارے الفاظ کی بجائے محض قرآن وسنت کا پابند ہے۔

اس لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمیں حدود اللہ کی دفعہ وار تقنین (شق وار قانون بندی) کی بجائے اُنہیں قرآن وسنت کے الفاظ میں نافذ کرنے کی طرف آگے بڑھنا چاہئے کیونکہ ہم کتاب وسنت سے بہتر وحی کی تعبیر پیش نہیں کرسکتے۔ یہی بات ایک مجلس میں مرحوم جسٹس گل محمد (چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت، پاکستان) نے اس وقت کہی جب سابق صدرِ پاکستان جناب غلام اسحق خان نے شریعت کی متفقہ دفعہ وار تقنین پر زور دیا تو جناب جسٹس صاحبؒ نے ایمان افروز الفاظ میں یوں جواب دیا کہ ''شریعت تو وحی الٰہی ہے جو کتاب وسنت کی صورت میں ہمارے ہاں مکمل محفوظ ہے، اب کیا ہم وحی سے بہتر تعبیر پیش کرسکتے ہیں۔'' اس جواب پر مجلس میں خاموشی چھا گئی۔

اس سلسلے میں جیو ٹی وی چینل نے غیرمناسب طریقہ اختیار کیا ہے۔ پہلے ایک غلط سوال تیار کیا اور پھر اپنی مرضی کا جواب تیار کرکے خاص مشن کے مطابق لوگوں کی ذہن سازی کی گئی۔ مختلف مقامات پر بڑے بڑے سائن بورڈ لگانے کا آخر کیا مقصد ہے؟ اللہ کے قانون کو تماشا بنانے والوں کو آخر ایک روز اللہ کے سامنے بھی جواب دہ ہونا ہے۔

بالفرض حدود آرڈیننس میں تعبیر شریعت کی غلطیاں ہیں لیکن بہرحال اسے قرآن وسنت یا ائمہ فقہا کی تشریحات کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔ لہٰذا غلط پراپیگنڈہ کرنے کی بجائے اسے قرآن وسنت کے مطابق کرنے کی کوشش ہونی چاہئے، اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سوال

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

کو درست کیا جائے؟ جو یہ ہو کہ 'حدود آرڈیننس کو حدود اللہ کیسے بنایا جائے؟'

سوال: میں آپ سے 'جیو' والا سوال پوچھنے حاضر نہیں ہوا اور میرا اس پروپیگنڈا سے بھی تعلق نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا پروپیگنڈہ سن کر میں خود بہت زِچ ہوا اور میں نے سوچا کہ اس کی صحیح صورتِ حال سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہئے اور میں آپ کے تفصیلی موقف کی درست اشاعت کی بھی ذمہ داری لیتا ہوں۔

مدنی صاحب: 'محدث' میں حدود آرڈیننس کے بارے میں بہت کچھ شائع ہوتا رہا ہے، بالخصوص محدث کے سال ۲۰۰۴ء میں شائع ہونے والے تین شمارہ جات (سیریل نمبر:۲۷۶،۲۸۰ اور ۲۸۴) میں قانونی تجزیہ اور تقابل کرتے ہوئے مروّجہ حدود آرڈیننس کے خلاف مختلف مہمات کا پس منظر پیش کیا گیا اور اعتراضات کے جواب دیے گئے ہیں۔ حدود آرڈیننس کے خاتمے سے اصل مقصود جنسی انارکی اور زنا کاری کو فروغ دینا ہے۔ اسی مقصد کے لئے حدود آرڈیننس کو بدنام کرنے کی مہم شروع کی گئی ہے۔ جب بدنام ہوجائے تو کہا جائے گا کہ اس کو ختم کردیا جائے جیسا کہ واجدہ رضوی رپورٹ میں یہی سفارش کی گئی ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کے سابقہ چیئرمین اور خواتین حقوق کمیشن کے رکن جناب ایس ایم زمان نے اس سازش کی کسی قدر نقاب کشائی کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ واجدہ رضوی نے طے شدہ اُصولوں اور طریقہ کار کو ترک کرکے غلط انداز اپنایا اور کراچی میں موجود کمیشن کا ایک اجلاس منعقد کرکے ارکان سے صرف یہ پوچھا گیا کہ آپ ہمیں یہ بتائیں کہ آپ کس بات کے حق میں ہیں: اس قانون کو منسوخ کیا جائے یا اس میں ترمیم کی جائے؟ اس کے بیس روز بعد اُنہوں نے یہ عندیہ دیا کہ ارکان کی اکثریت نے مذکورہ قانون منسوخ کرنے کے حق میں رائے دے دی ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک نئی رپورٹ تیار کی جس کا اس مسئلے پر پہلے سے تیار کردہ ڈرافٹ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس نئی رپورٹ میں حدود قوانین کی منسوخی کی سفارش کی گئی اور ترامیم کی مخالفت کی گئی تھی یعنی غلط طور پر اس رپورٹ کو کمیشن کی رپورٹ قرار دے کر وزیراعظم اور صدر کو بھجوایا گیا۔ دراصل اسپیشل کمیٹی کا اجلاس اور اس کے بعد نیشنل کمیشن برائے خواتین کا اجلاس دونوں غیر آئینی تھے۔ کیونکہ اس دوران کمیشن کے ارکان کی اکثریت

کی میعادِ تقرری تین سال گزرنے پر پوری ہوچکی تھی اور وہ لوگ کمیشن کے ممبر ہی نہیں رہے تھے۔صرف واجدہ رضوی اور دو ایک خواتین ایسی تھیں جو خالی نشستوں پر نامزد ہوئی تھیں اور ان کی مدتِ تقرری ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ (روزنامہ انصاف: ۲۵ مئی ۲۰۰۴ء)

اس ملک کا بڑا المیہ یہ ہے کہ اگر کوئی کہے کہ اس ملک میں اسلام نافذ کرنا ہے تو بیوروکریسی اسلام کو نافذ کرنے نہیں دیتی۔مجھے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے معاون کی حیثیت سے خصوصاً قصاص و دیت کے قانون میں کام کرنے کا موقعہ ملا۔قصاص و دیت کا قانون بھی اس طرح کی شرعی تعبیرات ہیں۔لیکن ہمارے ہاں طریق کار یہ ہے کہ اسلام کے نام پر ایک مقررہ سزا (حد) تجویز کرکے اس کے ساتھ ایسی کڑی شرطیں لگا دی جاتیں ہیں جو موجودہ معاشرہ میں کبھی پوری نہ ہوسکیں اور پھر اگر کوئی شرط پوری نہ ہو تو اس حد کے بجائے تعزیر لاگو کردی جاتی ہے اور بالعموم ایسی سزائیں وہی سابقہ گھسی پٹی تعزیراتِ پاکستان ہوتی ہیں۔مطلب یہ ہے کہ دکھانے کو کچھ اور ہوتا ہے لیکن عملاً تعزیرات پاکستان ہی نافذ رہتی ہیں۔یہی بات جسٹس (ر) جاوید اقبال نے بھی اپنے ایک انٹرویو میں کہی کہ

> ''مذہبی لوگوں کو راضی رکھنے کیلئے ہمیں قانون تو بنانے پڑتے ہیں لیکن ان کو مؤثر اور قابل عمل نہیں رکھا جاسکتا۔ان کی حیثیت زیبائشی اور آرائشی قوانین کی ہوتی ہے۔یہ منافقت اس لئے ضروری ہے کہ ہم علما کو بھی ناراض نہیں کرسکتے لیکن اسلامی قانون کو مؤثر بھی نہیں کرسکتے۔''
>
> (دیکھئے کتاب 'اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب' میں انٹرویو، ص۸۴)

مثال ملاحظہ کریں کہ حدود آرڈیننس میں چار مسلمان مرد عینی گواہ مقرر کئے گئے ہیں جس سے بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ حد نافذ کرنے کے لئے انتہائی مثالی معیار ہے۔لیکن جب وہ گواہ میسر نہیں آئیں گے تو حدود کا نفاذ نہیں ہوسکے گا اور پھر اس طرح تعزیر کو نافذ کردیا جاتا ہے۔کیونکہ پاکستانی قانون میں تعزیر کے لئے چار گواہوں کی ضرورت نہیں بلکہ ایک گواہ اور قرائن کی موجودگی میں بھی تعزیر لاگو کی جاسکتی ہے۔گویا طریق کار ایسا اختیار کیا گیا ہے کہ نہ قصاص کا نفاذ ہوسکے اور نہ حدود کا۔یہ سب کھیل ہے جس کے پیچھے اصل کردار بیوروکریسی کا ہے۔

قصاص و دیت کا قانون، قانونِ شہادت اور حدود آرڈیننس کو پڑھتے پڑھاتے میری عمر کا

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

ایک حصہ گزرا ہے اور مجھے خوب معلوم ہے کہ ان کے پیچھے کیا عیوب پوشیدہ ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دستور میں بھی اسلامی دفعات محض تصور یا پالیسی کی حد تک ہیں۔ عمومی تصورات اور 'پالیسی قوانین' قانوناً مؤثر نہیں ہوتے بلکہ وہ صرف مقصد اور پالیسی ہوتی ہے جس کی کوئی مؤثر حیثیت نہیں ہوتی۔ ہمارے ہاں مروّج اینگلوسیکسن لاز کا اُصول یہ ہے کہ عمومی دفعات یا پالیسی کے اُصول مزید خصوصی رولز کے بغیر مؤثر نہیں ہوتے۔ عام فہم انداز میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ منصوبہ اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں۔

سوال: کل میری ڈاکٹر محمد فاروق خاں سے بات ہوئی، اُنہوں نے حدود آرڈیننس کی چھ بنیادی خامیاں بیان کی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن کی رو سے زنا بالجبر میں سزا کا طریقہ زنا بالرضا سے مختلف ہے۔ زنا بالجبر میں چار گواہ تو کجا، ایک عینی گواہ کی بھی شرط نہیں ہے۔

جواب: دراصل بعض لوگ زنا بالجبر کے لئے سنت کو بالائے طاق رکھ کر آیتِ محاربہ کو سزا کی بنیاد بناتے ہیں۔ سورۃ المائدۃ کی اس آیت کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ ﴾ (آیت:۳۳)

لیکن اس آیت سے اگلی آیت بھی ملاحظہ فرمائیے:

﴿ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ...... ﴾ (آیت:۳۴)

''مگر وہ لوگ جو گرفتاری سے قبل توبہ کرلیں......''

گویا اگر زنا بالجبر کو اس آیت کے تحت قابل سزا قرار دیا جائے تو زنا بالجبر کی زد میں آنے والی خاتون کو بالکل نظر انداز بھی کیا جاسکتا ہے، مثلاً اگر جرم کرنے والا اپنی گرفتاری سے قبل توبہ کا اظہار کردے تو جرم ہی معاف ہوجائے گا۔ لیکن درحقیقت ہماری شریعت کی تکمیل محمد رسول اللہ ﷺ کے بغیر قطعاً نہیں ہوسکتی۔ قرآنِ مجید رسول اللہ ﷺ کی ۲۳ سالہ زندگی میں نازل ہوا اور اپنی دائمی تعبیر (حدیث وسنت) کی صورت آپؐ کی زندگی سے وابستہ ہے۔ اگر آپؐ کی زندگی (حدیث وسنت) کو قرآن سے الگ کردیا جائے تو جو قانون نافذ ہوگا، وہ الہامی شریعت کا قانون نہیں ہوگا، یہی ہے خرابی کی اصل وجہ۔ جب آپ اس ساری صورتِ حال کے تناظر میں جائیں گے تو واضح ہوگا کہ ان لوگوں کا اصل مشن یہ ہے کہ زنا بالجبر کو زنا کے

© rasailojaraid.com

زمرہ سے نکال کر اس کے لئے کوئی اور قانون لایا جائے تاکہ زنا بالجبر کے دعویٰ سے 'جرم زنا' پوری طرح عورت کے ہاتھ میں آجائے۔ مزید یہ کہ اس طرح زنا بالجبر کے مرتکب کنوارے کو بھی رجم (سنگسار) کرنا پڑے گا حالانکہ درحقیقت یہ لوگ تو سرے سے ایسی سزاؤں کے ہی خلاف ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ میں اجماعاً کنوارے زانی کی سزا رجم نہیں ہے اور رسول ﷺ کے دور یا بعد کے کسی دور میں بھی ایسا نہیں ہوا۔

سوال: اسلام بلا شبہ اس ملک کی بنیاد ہے۔ یہاں اسلامی شریعت پر عمل ہونا چاہئے اور اسے ہمیشہ جاری و ساری رہنا چاہئے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو قوانین اسلامی شریعت کے نام پر اس وقت ملک میں نافذ ہیں، ان میں بعض کمزوریوں کا حل کیا ہے؟

جواب: اس سوال کے پس منظر کے طور پر اُصولاً یہ حقیقت ذہن نشین رہنی چاہئے کہ قرآنِ مجید کی کوئی انسانی تشریح یا تعبیر کبھی بھی قرآن کے مماثل قرار نہیں پاسکتی۔ قرآن کے ترجمہ، تشریح اور تفسیر کو خواہ آپ اس کی بہتر سے بہتر تعبیر وتشریح کی صورت میں تیار کرلیں، اس پر کبھی ما أنزل الله (نازل کردہ کتاب وسنت) کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ انسانوں کی اس تعبیر (Interpretation) میں تضاد اور تعارض کا احتمال موجود رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کو مسائل پیش آنے سے پہلے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کی نوعیت کیا ہوگی؟ ان کی نوعیت اسی وقت متعین ہوتی ہے جب وہ معاملہ درپیش ہو۔

جیسا کہ میں ذکر کرچکا ہوں کہ اس وقت مختلف اسلامی ممالک، خصوصاً سعودی عرب وغیرہ میں اسلام کے نفاذ کا یہ انداز نہیں ہے کہ پہلے شریعت کی دفعہ وار قانون بندی کی جائے اور پھر ججوں کو اس کا پابند بنا دیا جائے۔ ان کے ہاں اصل اتھارٹی کتاب وسنت کو حاصل ہے اور جج اپنے فیصلہ میں انہی کا پابند ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے کہ جج صرف وحی (قرآن وسنت) کا پابند رہے۔ البتہ جب مسئلہ پیش آئے تو اس وقت وہ اکابر اہل علم کی تشریحات اسلامی ورثہ کے قدیم اور جدید فقہی ذخیرے اور فتویٰ جات کو سامنے رکھ کر ان سے استفادہ کرے۔ اس دور کے علما سے رہنمائی لے اور وہ واقعاتی صورتِ حال کا جائزہ بھی لے، پھر شرعی تعلیمات اور صورتِ واقعہ دونوں کو سامنے رکھ کر دلائل کے تناظر میں غور کرتے ہوئے جو رائے قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسنت کے مطابق سمجھے، اسی کے مطابق فیصلہ کر دے۔ کیونکہ جج کسی اور کے اجتہاد کا مقلد نہیں ہوتا بلکہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کا پابند ہوتا ہے اور مسئلہ پیش آنے پر ہی وہ اجتہاد کرتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے اسلاف نے مسئلہ پیش آنے سے پہلے محض مفروضوں پر رائے زنی کو ناپسند کیا ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ مسئلہ پیش آنے سے پہلے مفروضوں پر اجتہاد نہ کیا جائے کیونکہ مسئلہ کی صحیح نوعیت اسی وقت متعین ہوتی ہے جب وہ پیش آئے۔ اس سے پہلے وہ محض ایک مفروضہ ہوتا ہے چنانچہ مفروضہ کی بنیاد پر جو فتویٰ صادر ہوگا، اس میں صحت کے امکانات کم اور افراط وتفریط کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

یہی بات میں نے اس وقت بھی کہی تھی جب 'جیو' نے مجھ سے حدود آرڈیننس کے خدائی قانون ہونے یا نہ ہونے کا سوال پوچھا تھا۔ میرا جواب یہ تھا کہ اگر آپ بیرونی دباؤ کے زیر اثر آرڈیننسوں میں تبدیلیاں کر کے نئی دفعہ وار قانون سازی کریں گے، بالخصوص جب قانون سازی کا اختیار بھی پارلیمنٹ کو دے دیں گے جس کے ارکان کی اکثریت شریعت سے بے بہرہ ہے تو کیا اس وقت یہ آرڈیننس خدائی بن جائے گا۔ حکومت کے آئینی اداروں کو شریعت کی قانون سازی اور تعبیر شریعت کا اختیار دینے کی بجائے اس کے نفاذ Application کے کامیاب طریقوں پر محنت کرنا چاہیے۔ اگر شریعت وحی کے الفاظ میں رہے گی تو پھر یقیناً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب حدود اللہ کا نفاذ ہو رہا ہے لیکن اگر آپ پارلیمنٹ یا بیوروکریسی کی لفاظی کو قانونی دفعات کی صورت میں نافذ کریں گے تو پھر یہ اعتراضات اُٹھتے رہیں گے کہ حدود آرڈیننس قرآن وسنت کے مطابق نہیں یا قصاص و دیت آرڈیننس قرآن وست کے مطابق نہیں۔ اس کو قرآن وسنت کے مطابق بنایا جائے یا اسے منسوخ کیا جائے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ بیوروکریسی کی ڈرافٹنگ یا پارلیمنٹ کی قانون سازی جسے آپ اجتماعی اجتہاد کا نام دے رہے ہیں، عدلیہ پر بے اعتمادی کا اظہار ہے۔ حالانکہ عدلیہ میں آنے والے لوگ میرٹ کی بنیاد پر آتے ہیں اور پارلیمنٹ میں آنے والے عوامی اعتماد کی بنیاد پر جبکہ علم کی دنیا میں میرٹ کو ہی بالادستی حاصل ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ شرعی حدود کو وحی کے قالب میں نافذ سمجھا جائے اور عدلیہ جو قرآن وسنت کے ماہرین پر مشتمل ہو، اسے اجتہاد کا اختیار دیا

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

جائے۔ ہمارے ملک پاکستان میں حدود آرڈیننس سمیت شریعت کے حوالہ سے لاگو کئے جانے والے دساتیر وقوانین اینگلوسیکسن لاز کے طریقہ پر تیار اور نافذ ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ مسلمہ امر ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلیوں کی ضرورت محسوس ہوتی رہے گی جب کہ وحی (کتاب وسنت) دائمی عالمگیر ہدایات ہیں جو حرکی اجتہاد کے تصور سے ہر دور کے بدلتے تقاضوں کوملحوظ رکھ کر ہر طرح کے پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اجتہادی اختلافات کے باوجود اجتہاد کی شریعت میں اجازت کیوں ہے؟ اس کے بارے میں عموماً عوام ائمہ کا اختلاف سن کر پریشان ہوجاتے ہیں حالانکہ اکابر فقہا کے ظاہری اختلافات کے باوجود یہ اجتہاد کا ایک بڑا اہم اور مثبت پہلو ہے کہ اس طرح پیش آمدہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ سامنے آجاتا ہے کیونکہ اجتہاد کرنے والوں میں سے کسی کے سامنے ایک پہلو ہوتا ہے اور کسی کے سامنے کوئی دوسرا۔ جس کی وجہ سے ان کی آرا بظاہر مختلف نظر آتی ہیں، لیکن بہت دفعہ یہ اختلاف حقیقی نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک حقیقت کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ جیسے ایک عمارت کو جب آپ چار اطراف سے دیکھیں گے تو وہ بظاہر ایک طرف سے دوسرے پہلو سے مختلف نظر آئے گی حالانکہ وہ عمارت ایک ہی ہے، پھر زمانے کی تبدیلی کے ساتھ مسائل کی صورتوں اور نوعیّتوں میں تبدیلی بھی واقع ہوتی رہتی ہے۔ جب آپ دفعہ وار قانونی دفعات بنا کر جج کو اس کا پابند بنا دیں گے اور اجتہاد کو اس کے لیے شجر ممنوعہ قرار دیں گے تو ظاہر ہے کہ اس جج کی طرف سے دیا جانے والا فیصلہ مسائل کے نت نئے پہلوؤں سے ہم آہنگ نہیں ہوگا۔ اس طرح قانون ہمیں انصاف دینے کی بجائے ہمارے لئے بیڑیاں (اِصر واَغلال) بن جائے گا۔

لیکن یہاں یہ بات واضح رہے کہ حدود آرڈیننس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ آرڈیننس کوئی خدائی قانون نہیں، محض ایک مغالطہ اور پراپیگنڈہ ہے۔ یہ تو درست ہے کہ یہ حدود آرڈیننس ان الفاظ کے ساتھ اللہ نے آسمان سے نازل نہیں کیا، بلکہ یہ وحی الٰہی (قرآن وسنت) کا اجتہادی فہم ہے۔ یہ بعینہٖ شریعت نہیں بلکہ شریعت کی اجتہادی تعبیر ہے، لیکن اس کا

© rasailojaraid.com

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ حدود آرڈیننس غیر اسلامی ہے۔ حدود کے قوانین نہ تو بعینہٖ حدود اللہ ہیں اور نہ ہی اس سے الگ کوئی چیز۔ جس طرح قرآن کا ترجمہ اگرچہ قرآن نہیں ہوتا لیکن اس کا غیر بھی نہیں ہوتا، حدود آرڈیننس میں شرعی دفعات اور حدود اللہ کا باہم وہی رشتہ ہے جو کتاب کے متن اور اس کے ترجمہ وتشریح کے درمیان ہوتا ہے، کیونکہ علما نے انہیں قرآن وسنت کی روشنی میں تیار کیا ہے۔

بعض لوگ حدود آرڈیننس پر خدائی قانون نہ ہونے کا الزام عائد کرتے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ ترمیم واصلاح کے بعد جو حدود آرڈیننس سامنے آئے گا، کیا وہ خدائی قانون ہوگا؟ کیا وہ بعینہٖ حدود اللہ ہوں گی بلکہ وہ بھی انسانی کاوش ہی قرار پائے گی۔ اور اس سے بھی بہت سے اہل فکر کو اختلاف ہوسکتا ہے۔ اور یہ واضح رہے کہ حدود اللہ یا شریعت کے نفاذ Application کی جو بھی صورت ہوگی جیسے وہ پہلے سے تیار کردہ کسی معیاری تدوین کی صورت میں ہو تو انسانوں کا قرآن وسنت کا فہم 'انسانی کدوکاوش' ہی کہلائے گی۔ اگر کسی بات کو محض یہ کہہ کر ردّ کرنا شروع کردیا جائے کہ یہ تو انسانوں کا اجتہاد ہے یا بصورتِ فقہ شریعت کی انسانی تعبیر ہے تو اللہ کا یہ دین بالکل معطل ہوکر رہ جائے گا۔

سوال: یہ تو ایک مثالی صورت حال ہے، لیکن پاکستان میں ایسے ہونا سردست ممکن نظر نہیں آتا، ان حالات میں آپ پاکستان میں شریعت کے نفاذ کا طریقہ کیا تجویز کرتے ہیں؟

جواب: حدود اللہ اور دیگر شرعی احکام کے نفاذ کا اصل طریقہ تو یہی ہے کہ اسے وحی یعنی قرآن وسنت کی صورت میں نافذ کردیا جائے، اسے اپنے الفاظ میں قوانین کی شکل نہ دی جائے جیسا کہ سعودی عرب اور بعض دیگر خلیجی ممالک میں یہ طریقہ اس وقت نافذ العمل ہے۔ لیکن اگر ہم اسی بات پر مصر ہیں کہ شریعت کو انسانی الفاظ اور قانونی دفعات کی شکل میں ہی نافذ کرنا ہے تو پھر اس کے اندر ایک شق یہ رکھ دی جائے کہ جہاں کہیں کوئی اختلاف رونما ہوگا تو اس کی کسوٹی کتاب وسنت ہوگا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ ﴾ (النساء:۵۹)

''جس چیز میں تمہارا اختلاف ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔''

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ (الشوریٰ:١٠)

''جس چیز میں تم اختلاف کرو تو وہاں فیصلہ اللہ کی طرف ہی لوٹایا جائے۔''

پاکستانی قانون میں پہلے بھی بعض جگہ یہ صراحت موجود ہے، مثلاً قصاص ودیت آرڈیننس میں ۳۳۸/ایف میں وضاحت موجود ہے کہ اس قانون میں اگر ہمیں کوئی ضمنی مسئلہ درپیش ہوگا یا کوئی چیز موجود نہیں ہوگی یا کوئی نکتہ قابل اصلاح ہوگا تو قرآن وسنت کی روشنی میں اسے حل کیا جائے گا۔ ایسے ہی لاہور ہائی کورٹ کے فل بنچ نے اس کے مطابق ایک فیصلہ بھی دیا ہے۔فل بنچ کے تین ججوں: جسٹس سردار محمد ڈوگر، جسٹس خلیل الرحمٰن خان اور جسٹس خلیل الرحمٰن رمدے کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ اگر مقتول کے ورثا صلح کرکے قصاص معاف کردیں تو کیا اس کے باوجود بھی قاتل کو کوئی تعزیری سزا دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ تو اُنہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ اس صورت میں تعزیری سزا نہیں دی جانی چاہیے۔ وہ خود چونکہ مروّجہ قوانین میں کوئی ترمیم نہیں کرسکتے تھے، لہٰذا انہوں نے اپنی اس رولنگ کو پارلیمنٹ بھیجنے کی سفارش کی کہ اس کے مطابق قانون سازی کی جائے۔

چنانچہ ''قرآن وسنت کے کسوٹی ہونے'' پر مبنی ایک شق کا اگر حدود آرڈیننس میں اضافہ کردیا جائے تو یہ کافی حد تک حدود اللہ کے قریب آجائے گا کیونکہ اس صورت میں اصل نگران اور اتھارٹی قرآن وسنت قرار پائے گا۔

۱۹۸۰ء میں وفاقی شرعی عدالت نے تعزیراتِ پاکستان اور قوانین ضابطہ کی ۵۶ دفعات کو قرآن وسنت کے منافی قرار دیا۔ تو سپریم کورٹ (شریعت بنچ) میں حکومت نے اپیل کردی۔ جب سپریم کورٹ نے بھی وفاقی شرعی عدالت کی تائید کردی تو ۱۹۹۱ء میں حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ متبادل دفعات فراہم کرے۔ یہ بے نظیر بھٹو کا دور تھا اور حکومت اس سے بچنے کے لیے سپریم کورٹ سے تاریخوں پر تاریخیں لے رہی تھی اور حکومت کا موقف یہ تھا کہ ہمیں مختلف ممالک کے قوانین کا جائزہ لینے کے لیے اپنے نمائندے دوسرے ممالک میں بھیجنے ہیں۔ اس صورت حال کو بھانپ کر فل بنچ نے کہا کہ دس سال تو پہلے ہو چکے ہیں اور بنچ کے سربراہ جسٹس افضل ظلہ نے کہا کہ اب ہم مزید تاریخیں نہیں دیں گے۔ فلاں تاریخ تک آپ متبادل قانون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نافذ کر دیں اور ساتھ ہی یہ بھی قرار دے دیا کہ اگر فلاں تاریخ تک کوئی بنا ہوا قانون نہ آیا تو پھر قرآن وسنت کو اپنے اصل الفاظ میں لاگو سمجھا جائے گا۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی،لیکن انہی دِنوں بینظیر حکومت تبدیل ہوگئی۔ یہ تفصیل ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قصاص ودیت کے قانون میں بھی ایسی دفعات موجود ہیں جن کے ذریعے اس آرڈیننس میں قرآن وسنت کو بالادستی دی گئی ہے۔ لاہور ہائیکورٹ کا مذکورہ بالا فیصلہ ایسی بالادست دفعات کی روشنی میں ہی دیا تھا جیسا کہ امام مالکؒ نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے کہ عورتوں کو قصاص ودیت کے معاملات میں معافی کا اختیار نہیں ہونا چاہئے۔ اس کی حکمت یہ بھی ہے کہ عورت فطری طور پر جذباتی اور نرم دل ہوتی ہے۔ اور بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ اگر عورت کے سسرال کا کوئی فرد اس کے میکے کے کسی فرد کو قتل کر دیتا ہے تو اس صورت میں مجبوراً اسے معاف کرنا پڑتا ہے، اگرچہ وہ دل سے معاف نہیں کرنا چاہتی۔ اس لئے امام مالکؒ نے قصاص کی معافی کا حق مقتول کے صرف ان رشتہ داروں کو دیا ہے جو خاندان میں ریڑھ کی حیثیت رکھتے ہیں جنہیں علم وراثت کی اصطلاح میں عصبہ کہا جاتا ہے، مثلاً بھائی، بیٹا، باپ، دادا وغیرہ

سوال: یہاں پھر عورت کے حقوق کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لوگ تو پہلے اس بات پر بھی معترض ہیں کہ عورت کی گواہی آدھی کیوں ہے، پوری کیوں نہیں؟

جواب: دیکھیں! قانون کا مقصد مسائل کو حل کرنا ہوتا ہے۔ کسی کو خوش کرنا اصل مقصود نہیں ہوتا، پھر یہ عورت کے حقوق کا مسئلہ نہیں ہے۔ امام مالکؒ نے تو اگر عورت قتل ہو جائے تو خاوند کو بھی اس کا قتل معاف کرنے کا حق نہیں دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ موت کے بعد خاوند بیوی کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر زوجین کو باہم ایک دوسرے کے قصاص کو معاف کرنے کا اختیار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اس کے پیچھے بہت بڑی مصلحت ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ قانون سازی کسی کو خوش کرنے کے لئے نہیں ہوتی۔ قانون سازی کا مقصد مسائل کو حل کرنا ہے۔ اگر اس کو نظر انداز کر دیا جائے اور لوگوں کی خوشی کے مطابق فیصلے ہونے لگیں تو پھر بچیوں کو آوارگی کے خارستان سے کون بچائے گا؟ وہ خاندان کی عزت وآبرو کو خاک میں ملا کر جہاں چاہیں گی، گھومیں گی اور پھر ہائی کورٹ کے ججوں کو بھی مجبوراً یہ کہنا پڑے گا کہ والدین کو سوچنا چاہئے کہ ان کی اولاد کی تربیت میں کہاں کمی رہ گئی

© rasailojaraid.com

ہے؟ بہرحال ان تمام مسائل کا حل قانون سازی کے جدید انداز کے نقطہ نظر سے یہ ہے کہ شریعت کے نام پر بنائے جانے والے ان قوانین کے اوپر قرآن و سنت کو نگران بٹھا دیا جائے۔ اس سے قانون میں جہاں کوئی سقم باقی رہ گیا ہے، وہ ایک حد تک دور ہوجائے گا جیسا کہ ہمارے جسٹس ناصر اسلم زاہد نے کہا ہے۔ ان کے یہ الفاظ قابل ذکر ہیں کہ

''حدود آرڈیننس کو قرآن کے مطابق بنایا جائے۔''

اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس آرڈیننس کی روح بہت مقدس ہے اور وہ روح یہ ہے کہ زنا بالرضا بھی بدکاری ہے اور بدکاری ناقابل معافی جرم ہے۔ اس آرڈیننس سے پہلے کنواری، بیوہ، مطلقہ کسی عورت کے لئے بھی زنا بالرضا قابل گرفت جرم نہیں تھا۔ صرف خاوند اپنی بیوی کے خلاف کاروائی کرسکتا تھا اور وہ بھی صرف اس صورت میں کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر زنا کا ارتکاب کرتی۔ گویا بدکاری ایک بُرے فعل کے طور پر جرم نہیں تھی، بس خاوند کے حق میں حق تلفی کے طور پر جرم کے زمرے میں آتی تھی۔

سوال: کوئی اگر زنا کے الزام سے بری ہوجائے تو کہتے ہیں کہ الزام لگانے والے پر حد لگائی جائے؟ لیکن عملاً یوں نہیں ہوتا بلکہ لوگ جھوٹے الزام کے بعد تہمت کی سزا سے بھی بچ جاتے ہیں۔

جواب: ہاں، اس پر حدقذف (بہتان طرازی کی حد) ہے جو علیحدہ آرڈیننس ہے۔

سوال: کیا حدِ زنا آرڈیننس میں حدِقذف کا ذکر نہیں ہے؟

جواب: نہیں، اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ دراصل ہمارے ملک میں رائج قانونی نظام کا طریق کار یہ ہے کہ ایک مقدمہ میں دوسرے مقدمہ کو شامل نہیں کیا جاتا۔ اس کے لئے الگ سے مقدمہ دائر کرنا پڑتا ہے، لہٰذا حدقذف کو قذف کے مقدمہ کے تحت سنا جائے گا۔ اس نظام کے تحت جب ایک کیس درج کرایا جاتا ہے تو پھر اسی الزام کی سماعت ہوتی ہے، دوسرے الزام کی سماعت کے لئے مستقل دوسرا کیس دائر کرنا پڑتا ہے، یہ خرابی حدود آرڈیننس کی بجائے ہمارے قانونی نظام کی ہے۔

سوال: کیا حدِقذف واقعتاً حدِزنا آرڈیننس میں نہیں ہے؟

جواب: حدود آرڈیننس میں ہر حد کا قانون الگ الگ ذکر ہوا ہے۔ یہ دراصل پانچ آرڈی

© rasailojaraid.com

نینسوں کا مجموعہ ہے جس میں قذف کا قانون الگ ہے اور زنا کا الگ۔ اسی طرح ملکیتِ مال کا الگ ہے، لیکن اگر ان تمام کے اوپر کتاب وسنت کی اتھارٹی قائم کردی جائے تو اس سے تمام قوانین باہم مربوط ہوجائیں گے۔ بہرحال ہم نے اپنے حالات کے تحت اس مسئلہ کا کوئی حل نکالنا ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ سعودی عرب اور خلیجی ممالک کا انداز یہاں بعینہٖ لاگو کیا جائے، کیونکہ یہاں ایسا کرنا مشکل ہوگا۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ اسلام ہمیشہ خلافتِ اسلامیہ میں قرآن وسنت کے اصل الفاظ میں ہی نافذ رہا ہے۔ بلکہ صورت حال یہ رہی کہ ہندوستان میں فتاویٰ عالمگیری جاری ہوا تو بطورِ قانون نہیں، کیونکہ فتاویٰ عالمگیری کی زبان ہی قانونی نہیں بلکہ وہ علما کی تشریحات کی شکل میں ہے جنہیں فیصلہ کرتے وقت جج اپنے سامنے رکھتے تھے۔ البتہ ترکی میں مجلة الأحکام العدلية ۱۸۷۶ء سے ۱۹۲۳ء تک ملکی قانون کی حیثیت سے نافذ تو رہا ہے لیکن اس میں بار بار ترامیم کے باوجود بعض جگہ اس کا انداز انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ مثلاً اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ سود شرعاً تو حرام ہے لیکن قانوناً جائز ہے۔ پھر اس میں فوجداری قانون اور عائلی قوانین موجود ہی نہیں ہیں، سول لاء کا ایک حصہ بھی اس سے خارج ہے۔ حالانکہ یہ اسلامی تعلیمات پر مبنی ایک مختصر کوڈ تھا جو نپولین کے تیار کردہ کوڈ کو سامنے رکھ کر بنایا گیا تھا اور اس میں پچاس سال کے دوران ایک نہیں، بیسیوں ترامیم کرنا پڑیں کیونکہ وہ انسانوں کا بنایا ہوا قانون تھا جسے ترمیم کا سامنا کرنا ایک مجبوری ہے۔ لہٰذا اصل حل یہی ہے کہ قرآن وسنت کو اپنے الفاظ میں نافذ کردیا جائے۔ یا پھر قرآن وسنت کی روشنی میں بنائے ہوئے ایسے قوانین پر انہی قوانین میں قرآن وسنت کی چھتری قائم کردی جائے تاکہ اعلیٰ عدلیہ ایسے مواقع پر قانون کا اطلاق کرتے وقت اجتہاد کرسکے۔

سوال: کیا زنا بالرضا اور زنا بالجبر میں کوئی فرق ہے؟

جواب: ان دونوں کے درمیان فرق کا جو پراپیگنڈہ کیا جارہا ہے اور زنا بالجبر کو زنا کے زمرہ سے نکال کر آیتِ محاربہ (المائدۃ: ۳۲،۳۳) کے تحت داخل کرنے کی باتیں ہورہی ہیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یا تو زنا بالجبر کو قابل راضی نامہ بنادیا جائے کیونکہ اس سے اگلی آیت میں ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ﴾ سے یہی ثابت ہوتا ہے بلکہ اگر وہ گرفتار ہونے سے قبل توبہ کرلے تو اسے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، اس صورت

© rasailojaraid.com

میں عورت کو راضی کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ پورے قرآن وسنت کو نظر انداز کرکے، کسی ایک آیت سے مسئلہ نکالنا کوئی درست طرزِ عمل نہیں ہے۔ یہ ساری قباحتیں اسی صورت میں ختم ہوسکتی ہیں کہ تمام قوانین کے اوپر کم ازکم قرآن وسنت کی چھتری قائم کردی جائے اور قرآن وسنت کے ماہر اور اجتہاد کی صلاحیت کے حامل ججوں کو اجتہاد کے ذریعے ان قباحتوں کو دور کرنے کا اختیار دیا جائے۔

سوال: میرا موضوع درحقیقت حدود آرڈیننس کی اہمیت، تقدس اور نفاذ ہے۔اس کے نفاذ کا آپ نے بہترین حل تجویز کیا ہے کہ یہ آرڈیننس ہمارے لئے بہت بڑی غنیمت ہے۔ قرآن وسنت کے تحت اس میں ترمیم کی ضرورت ہو تو ترمیم کی جائے، نہ کہ اسے ختم کردیا جائے۔

جواب: ترمیم و اصلاح کے باوجود بھی ہم اسے فائنل نہیں کہہ سکتے۔ اس میں تبدیلی کی گنجائش بہرحال رہے گی۔

سوال: ہاں پھر بھی فائنل نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اسے علما نے اپنے اجتہاد سے تیار کیا تھا اور جنرل ضیاء الحق کے دور میں اسے نافذ کیا گیا تھا جو کہ جمہوری حکومت نہیں تھی۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کسی فردِ واحد کا نافذ کردہ قانون نہیں تھا بلکہ ماہرین علما اور قانونی اداروں کی مشاورت سے تیار کیا گیا اور پھر رائے کے لئے اسے عوام کے سامنے بھی پیش کیا گیا۔سپریم کورٹ نے اس کی منظوری دی جیسا کہ پرویز مشرف کے اقدامات کو بھی سپریم کورٹ نے درست قرار دیا ہے۔کل کو اگر کوئی کہے کہ یہ سب فردِ واحد کی طرف سے تھے لہٰذا سارے غلط ہیں، اس طرح تو تمام قوانین تماشہ بن جائیں گے۔ یوں بھی تین بار حدود قوانین میں ترمیم کے لئے تین بار اسمبلی میں بل پیش ہوا لیکن اسمبلیوں نے اس میں ترمیم نہ کرکے گویا اس کی موجودہ حالت میں تصویب کردی۔

سوال: یہ بات سمجھ نہیں آرہی کہ حدود آرڈی نینس کے بارے میں یہ اکھاڑ پچھاڑ پرویز مشرف کی طرف سے ہورہی ہے یا باہر سے کوئی فنڈز دیے جارہے ہیں؟

جواب: جس چیز کے ہمارے پاس شواہد نہیں، اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہتے لیکن حدود آرڈیننس جس کی روح یہ ہے کہ اس کے ذریعے زنا پہلی بار ایک جرم قرار پایا ہے، اس کو ختم کرنے کے لئے جو انداز اختیار کیا جارہا ہے، میڈیا کے زور پر اس کے خلاف نفرت کی جو فضا پیدا کی جارہی ہے، یہ انداز انتہائی افسوسناک اور قابل مذمت ہے اور یہی وہ انداز ہے جو

توہین رسالت آرڈیننس کو ختم کرنے کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔ اب یہاں بھی وہی کھیل کھیلا گیا ہے کہ حدود آرڈیننس کی تفتیش ایس پی درجے کا پولیس افسر کرے یا عدالت کی اجازت کے بغیر کسی کو گرفتار نہ کیا جائے، یہ ترمیم ۲ برس قبل ہوچکی ہے۔

سوال: تاکہ یہ جرم قابل مؤاخذہ ہی نہ رہے۔ یہ کافی پہلے کی تجاویز ہیں جو اخبارات میں بھی چھپیں۔ ان میں سے یہ تجویز تو منظور ہوگئی ہے کہ ایس پی کے درجے کا پولیس افسر تفتیش کرے، البتہ دوسری منظور نہیں ہوئیں۔

جواب: یہی کچھ توہین رسالت آرڈیننس کے ساتھ ہوا کہ اسے ڈپٹی کمشنر کی اجازت کے ساتھ وابستہ کردیا گیا اور یہ سب کچھ ہم مغرب کو راضی کرنے کے لئے کر رہے ہیں لیکن مغرب ہمارے کام پر مطمئن نہیں ہے جیسا کہ میرے بیٹے حافظ حسن مدنی سے امریکہ کے دورہ کے دوران اسی کے متعلق سوالات کئے گئے تھے۔ امریکیوں نے اُنہیں واضح الفاظ میں کہا کہ ہم ابھی تک مطمئن نہیں ہیں۔

سوال: ظاہر ہے کہ ہم جو کچھ بھی کرلیں، ان کی ڈیمانڈ پر پورے نہیں اُتر سکتے۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ ہم قرآن وسنت کو الگ کردیں اور ایک سیکولر معاشرہ قائم کریں۔

جواب: سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی وضاحت کی ہے کہ ﴿ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ ''یہ یہودی اور عیسائی اس وقت تک تم سے خوش نہیں ہوں گے جب تک کہ تم ان کی (ملت) تہذیب کو اختیار نہ کرلو۔''

سوال: چند اعتراضات وہ ہیں جو این جی اوز، ڈاکٹر محمد فاروق اور جاوید احمد غامدی وغیرہ کی طرف سے اُٹھائے جارہے ہیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ ان اعتراضات کو قرآن وسنت پر پیش کیا جائے اور یہ کام عدالت کے جج جو خود بھی قرآن وسنت کے ماہر اور درجہ اجتہاد پر فائز ہوں، علما کی راہنمائی میں کریں۔ جو چیز قرآن وسنت کے خلاف ہو، اس کو درست کرکے لاگو کریں۔ اور اگر مغرب کو راضی کرنا مقصود ہے تو وہ کبھی راضی نہیں ہوں گے حتیٰ کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کریں اور یقیناً میڈیا کے ذریعہ اسی مہم کو آگے بڑھایا جارہا ہے۔

نمائندۂ جنگ: اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ ہم نے آپ کا بہت وقت لیا اور ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کی آرا سے مسائل کو حل کرنے میں مدد ملے گی۔ ☆☆

www.KitaboSunnat.com